

# افکار

(۱)

پچھلے سال ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کے مقالہ ”تحقیقِ ریوا“ کی اشاعت سے پہلے ایک اخباری افواہ کی بنا پر چند مقامی اخبارات میں خاصی گرم بحث چل پڑی تھی جس میں جناب مفتی محمد شفیع صاحب اور ان کے چند رفقاء کرام نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ ہم نے اس ماہنامہ کے نومبر ۱۹۶۳ء کے شمارے میں ڈاکٹر صاحب کا پورا مقالہ شائع کر دیا تھا۔ اور تمام اہل علم کو دعوتِ فکر و نظر دی تھی۔ خود مفتی صاحب موصوف کے اپنے ایما پر اس مقالے کا مسودہ اس کی اشاعت سے قبل ہی ان کی خدمت میں پیش کر دیا گیا تھا۔ ہمیں اُمید تھی کہ جب اس مقالے کی اشاعت سے قبل ان بزرگانِ کرام کی طرف سے اس کے بارے میں اس قدر گرمجوشی کا اظہار ہوا ہے تو اشاعت کے بعد تو اس پر تنقید و تبصرہ کا ہجوم ہو جائے گا۔ اس کی پذیرائی کے لئے پچھلے شمارے سے ’افکار‘ کے نئے فیچر کا اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن تا دمِ تحریر ہمیں مفتی صاحب مددِ روح یا ان کے نو (۹) رفیقوں میں سے کسی کی جانب سے کوئی تنقید وصول نہیں ہوئی۔ البتہ معاصرین نے انعام ”انشاء“ (کراچی) کی دسمبر کی اشاعت میں مفتی صاحب کا ایک

انٹرویو شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے ریلوے اور متعلقہ مسائل پر تبصرہ فرمایا ہے  
ہم اس انٹرویو کے وہ تمام اقتباسات درج ذیل کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ  
ہرچیز از دوست می رسد نکوست۔

## سرمایہ دار کا بینک انٹرسٹ لینا قطعاً حرام ہے

”سود قطعاً حرام ہے اور بینک کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ بینک قوم کا بلڈ بینک ہے۔  
جہاں سے چند سرمایہ دار اپنی قوتوں کے ذریعہ قوم کا خون چوستے ہیں۔“

## لیکن سرمایہ دار کا مزدور کو غلام بنا لینا جائز اور مزدور کا احتجاج ناجائز ہے

”مزدور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سرمایہ دار کی بڑھتی ہوئی آمدنی پر اعتراض کرے یا اس مرٹے  
کا اپنے آپ کو بھی حقدار سمجھے۔ کیونکہ مزدور نے خود کو دو روپے یا تین روپے روز پر بیچ دیا۔ اس  
کا کام تو صرف مزدوری کرنا ہے وہ بھی چند روپوں کے معاہدے پر اس لئے یہ مطالبہ یا توقع رکھنا  
قطعاً جائز نہیں کہ سرمایہ دار اپنی آمدنی کا کوئی حصہ مزدور کو دے۔ جب مزدور نے اپنی جان کو معاہدہ  
کر کے سرمایہ دار کے ہاتھوں فروخت کر دیا تو پھر اس کے خلاف احتجاج کرنا ناجائز ہے۔“

## اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے بارے میں فتویٰ

”اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ“ مولانا نے ہنس کر فرمایا اہمдіاں ! اسلامی ریسرچ  
انسٹی ٹیوٹ پر مجھے ایک قصہ یاد آگیا، کہ کسی بادشاہ کا بازگم ہو گیا۔ اتفاق سے ایک  
بڑھیا کے ہاتھ وہ باز لگ گیا۔ بڑھیلے باز کبھی دیکھا نہ تھا۔ حیرت و استعجاب سے  
کبھی اس کی چونچ دیکھتی، کبھی پہنچے، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ چونچ کیا ہے۔ مختصر یہ کہ  
اس نے پہلے توڑ موڑ کر اس کے پنچے توڑ دئے۔ پھر چونچ کی درگت بنائی۔ اتفاقاً بادشاہ  
کے کارندے باز کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بڑھیا کے پاس پہنچے۔ باز کو دیکھا کہ پنچے ٹوٹے  
ہوئے، چونچ ٹری ٹری، بال و پر نچے ہوئے۔ بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے

کہا کہ نا اہل کے پاس کسی چیز کے چلے جانے کا حشر یہی ہوتا ہے۔ دراصل اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اس بڑھاپا کا سا کام سرانجام دے رہا ہے۔  
(انشاعالی ڈائجسٹ، کراچی، دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۹، "مفتی محمد شفیع سے ایک ملاقات"۔ اسد درہندی)

### (۲)

آئینک کے منافع کو "رہا" قرار دینے والے بزرگان کرام اب اسے حلال قرار دینے کے لئے "مضاربت" کا جیلہ "شرعی" تلاش کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس کے چند اہم پہلوؤں کی طرف ماضی نامہ نگار جناب رفیع اللہ صاحب نے مندرجہ ذیل مراسلہ میں توجہ دلائی ہوگی اسلامی معاشیات کے ایک ماہر اپنی کتاب "سود" میں جدید معاشی نظام اور اسلامی نظام کا تقابل بیان کرنے کے بعد بطور نتیجہ یہ فرماتے ہیں :-

"اس آل اندیشہ معاشی نظریہ کی صداقت اگر دیکھنی ہو تو امریکہ کے موجودہ معاشی حالات کو دیکھئے (اشارہ ہے اس خوفناک کساد بازاری کی طرف جو اس کتاب کی تصنیف کے زمانے میں رونما تھی) جہاں سود ہی کی وجہ سے تقسیم ثروت کا توازن بگڑ گیا ہے اور صنعت اور تجارت کی کساد بازاری نے قوم کی معاشی زندگی کو تباہی کے سرے پر پہنچا دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ابتدائی عہد اسلامی کی حالت کو دیکھئے کہ جب اس معاشی نظریہ کو پوری شان کے ساتھ عملی جامہ پہنایا گیا تو چند سال کے اندر قوم کی خوشحالی اس مرتبہ کو پہنچ گئی کہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جو خود صاحب نصاب نہ ہو"

(سود، از جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب جدید ایڈیشن صفحہ ۳۷)

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو ان دونوں مفروضہ نتائج کو حقائق سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اگر اس وقت امریکہ کا معاشی نظام سود کی وجہ سے بگڑ گیا تھا تو بعد میں سود کو کب خیر باد کہا گیا کہ وہی معاشی نظام اعلیٰ بلندیوں پر پہنچ گیا۔ دوسرا اس لئے کہ اسلامی نظام میں زکوٰۃ اکٹھی کرنا حکومت کا فریضہ ہے۔ قرآن کا بھی یہی حکم ہے :-

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ ۖ (اے نبی) ان کے مال سے صدقہ لے جو ان کو پاک کرے اور ان کا تزکیہ کر دے (القرآن ۱۰۴:۹)

جب تک اسلامی حکومت قائم رہی اس پر عمل ہوتا رہا۔ انفرادی طور پر زکوٰۃ دینا اسلامی تصور نہیں۔ یہ دعویٰ بھی جذباتی ہے کہ اسلامی معیشت کی ترقی کی وجہ سود کا نہ ہونا تھا۔ بعض تاریخی واقعات اس کے برعکس ہیں۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سنہری دور میں اُس بڑھیا کے قصے سے تو سسٹنٹ کا بچہ بچہ واقف ہے۔ جس نے اپنی ناداری کی وجہ سے بھوکے بچوں کا دل بہلانے کے لئے خالی ہنڈیا جوٹے پر ڈال رکھی تھی۔ اور اگر کوئی اس کی مدد کو پہنچا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نفس نفیس، آپ ہی کے عہد کا دوسرا واقعہ ہے کہ آپ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو لے کر ساری رات ایک قافلہ کی چوکیداری کرتے رہے اور فرمایا کہ خشیت علیہم سراق المدینۃ (بحوالہ بستان الادب ج ۱ ص ۶)۔ یعنی مجھے ڈر ہے کہ مدینہ منورہ کے چور ان کے مال کا نقصان نہ کریں۔

در اصل موجودہ معاشی نظام ایک عملی نظام ہے اور اس کے لئے جتنی علمی جہات کی ضرورت ہے اور اس سے کہیں زیادہ عملی جہات کی۔ لیکن جو لوگ اس کو بدلنے کے لئے اسلامی نظام معیشت کو پیش کر رہے ہیں، ان میں نہ صرف یہ صفت مفقود ہے، وہ تو خود اسلامی معاشی نظام کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ اس کی ایک اہم مثال مضاربیت ہے۔ سودی نظام کو بھی ختم کرنے کے لئے مضاربیت کا نام ہی بار بار لیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ سود کو سافٹ کر کے بینکنگ کا سارا نظام اس اصول پر چلایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ کتاب ”سود“ کے فاضل مصنف فرماتے ہیں۔

”اگر وہ اپنی پس انداز کردہ رقموں کو کسی نفع آور کام میں لگانے کے خواہشمند ہیں تو ان کے لئے اس چیز کے حصول کا صرف ایک راستہ کھلا ہو گا یہ کہ اپنی بچائی ہوئی رقموں کو مضاربیت (یعنی نفع اور نقصان میں مناسب شریکت) کے اصول پر نفع بخش کاموں میں لگائیں۔ خواہ حکومت کے توسط سے یا بینکوں کے توسط سے“ (سود، جدید ایڈیشن صفحہ ۲۰)

اگے چل کر فرماتے ہیں :-

”مگر موجودہ نظام کی طرح اس نظام میں بھی سب سے زیادہ قابل عمل اور مفید تیسری ہی صورت ہوگی۔ یعنی یہ کہ لوگ بینکوں کے توسط سے اپنا سرمایہ نفع بخش کاموں میں

دگائیں اس لئے ہم اس کو ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے اس امر کی صاف تصویر آجائے کہ سود کو ساقط کرنے کے بعد بینکنگ کا کاروبار کس طرح چل سکتا ہے اور نفع کے طالب لوگ اس سے کس طرح مستفیع ہو سکتے ہیں“ (ایضاً صفحہ ۲۱۰)

اس کی تفصیل یوں فرماتے ہیں :-

”اس معاملہ میں فرق صرف یہ ہوگا کہ بحالت موجودہ منافع حصہ داروں میں تقسیم ہوتا ہے اور کھاتہ داروں کو سود دیا جاتا ہے۔ اس وقت دونوں میں منافع ہی تقسیم ہوں گے“ (ایضاً صفحہ ۲۱۱)

اپنی ایک دوسری کتاب میں بھی مضاربیت کی یہی تعریف کرتے ہیں :-

”اسلامی قانون نے تجارت و صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی ہے کہ وہ نفع نقصان کی شرکت کے اصول پر دوسروں کے ساتھ مضاربیت کا معاملہ کرے۔ ایک شخص دوسرے شخص کو روپیہ دے سکتا ہے اور طے کر سکتا ہے کہ اس سے کاروبار کر کے نفع و نقصان میں آدھے یا چوتھائی کا شریک ہو“ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۵۸)

قارئین نفع و نقصان کی شرکت والا نکتہ ذہن میں رکھیں کیونکہ آئندہ بحث کا اس سے گہرا تعلق ہے۔ جن لوگوں کا اس وقت یہ دعویٰ ہے کہ ان کا کاروبار صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق ہے۔ ان کا عمل بعینہ اس تشریح کے مطابق ہے۔ یعنی جس کو بھی رقم مضاربیت کے اصول پر دی جاتی ہے۔ اس کی نفع میں بھی شرکت ہوتی ہے اور نقصان میں بھی۔ حالانکہ مضاربیت کی جو تعریف ائمہ مجتہدین نے کی ہے وہ اس کے بالکل الٹ ہے۔

سودی کاروبار کا مضاربیت کے اصول پر جواز سب سے پہلے قاضی ابوالیوسف صاحب نے پیش کیا۔ انہوں نے زمین کی بٹائی کے بارے میں جو فرمان نبوی کے مطابق سود ہے مضاربیت کے اصول پر جواز کا فتویٰ دیا۔ فرماتے ہیں :-

لأنه عقد شركة بين المال والعمل (کیونکہ یہ بٹائی مال اور عمل کے درمیان

شرکت کا معاملہ ہے پس یہ مضاربت کے اصول  
پر جائز ہوگا۔

(دراپہ آخرین مجتہبی کتاب المزارعت ص ۴۴)

## مضاربت کا صحیح مفہوم

یہ حضرات اس اصول کا تو بے دریغ استعمال کرنے لگے، لیکن اس کا صحیح مفہوم معلوم  
کرنے کی بالکل کوئی کوشش نہ فرمائی۔ اب ائمہ مجتہدین کی زبانی اس کی تشریح سنئے۔ فقہ کی  
بڑی چھوٹی جو کتاب بھی اٹھا کر دیکھیں اُس میں آپ کو مضاربت کی یہ تعریف ملے گی۔

ہی فی اللغة عبارة عن ان يدفع شخص مالا  
لاخر ليجزئہ علی ان یکون الربح بينهما  
علی ما شرط والمخسارة علی صاحب المال

نعت میں مضاربت کے معنی یہ ہیں۔ ایک شخص  
دوسرے کو تجارت کے لئے سرمایہ دے اس شرط  
پر کہ نفع تو ان دونوں کے درمیان بمطابق شرط

ہوگا لیکن نقصان کا ذمہ دار صرف صاحب سرمایہ

ہوگا (خط کشیدہ الفاظ پر دوبارہ نظر ڈالیں)

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۲ ص ۳۴)  
یعنی نفع میں تو شرکت ہوگی لیکن نقصان سب کا سب سرمایہ والے کے ذمے ہوگا۔ کارندہ صرف نفع  
میں شریک ہوگا اور اس کے علاوہ اس کے اخراجات بھی سرمایہ ہی سے ہوں گے۔ چاہے  
نفع ہو یا نقصان۔

حضرت امام مالک ج فرماتے ہیں :-

ونفقة العامل من المال فی سفره من  
طعامه وکسوته وما یصلح به بالمعروف  
بقدر المال

کام کرنے والے حصہ دار کا سفر خرچ مثلاً کھانا  
کپڑے اور دوسرے اخراجات سرمایہ کی مقدار  
کے لحاظ سے سرمایہ ہی سے وصول کئے  
جائیں گے۔

(تنویر الحوائک شرح موطا امام مالک جلد ۲ ص ۸۵)

یعنی ان اخراجات کے بعد اگر نفع ہوگا تو حصہ کے مطابق ان میں تقسیم ہوگا۔ لیکن اگر نقصان ہوگا تو کارندہ کو کچھ بھی نہ دینا ہوگا۔ کیونکہ مضاربت کا مال اس کے ہاتھ میں بطور امانت تصور کیا جاتا ہے:-  
ثم المدفوع الى المضارب امانة في يده (دہلیہ آخرین کتاب المضاربة صفحہ ۱۸۷)

یعنی جو سرمایہ مضارب (کارندہ) کے حوالہ کیا جائے گا وہ بطور امانت ہے اور اگر یہ مال ضائع ہو جائے گا تو کارندہ کسی صورت میں اس کا ذمہ دار نہیں جیسا کہ امانت کا شرعی حکم ہے  
الامانة في يد المودع اذا هلك لم يضمنها (ایضاً صفحہ ۲۰۱)

(اگر امین کے پاس امانت کا مال ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں)  
یہ تو ہے مضاربت کا شرعی مفہوم۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مضاربت کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ اس کی عام اجازت ہو۔ اس کی اجازت صرف محدود حالات میں ہے جب کہ کوئی شخص خود کاروبار کرنے کے قابل نہ ہو۔ شمس الائمہ علامہ سرخسی اس کے جواز پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ان با لناس حاجة الى عقد المضاربة فصاحب المال قد يكون عاجزاً عن التصرف بنفسه (مبسوط جلد ۲۳ صفحہ ۱۷۷)

مضاربت ایک انسانی ضرورت ہے کیونکہ بعض اوقات صاحب سرمایہ خود کاروبار کرنے سے عاجز ہوتا ہے علامہ موصوف کو یہ دلائل دینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کیونکہ کچھ ائمہ کو اس سے شرعی مسئلہ تسلیم کرنے میں بھی کلام ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت میں مضاربت کی کوئی اصل نہیں ہے۔

## علامہ ابن حزم کے نزدیک مضاربت کی حیثیت

قال ابن حزم في مراتب الاجماع كل البواب  
الفقه فيها اصل من الكتاب والسنة حاشا القراء  
فما وجدنا له اصلاً فيها البتة .  
علامہ ابن حزم مراتب الاجماع میں فرماتے ہیں کہ فقہ کے ہر باب کی اصل کتاب و سنت ہے مگر مضاربت ہم نے کتاب و سنت میں

اس کی کوئی اصل نہیں پائی۔

(نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۲۸۲)

اس بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جس چیز کو سود کے فاضل مصنف مضافاً کا نام دے رہے ہیں وہ کوئی اور چیز ہے اور فقہ کی کتابوں میں جس مضاربت کا ذکر ہے اس سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ سود اور اس میں معمولی فرق ہے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ سود بہت بڑی بڑائی ہے اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں لیکن معلوم نہیں ان حضرات کو بینک کا سود تو بار بار کھٹکتا ہے حالانکہ جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سود قرار دے گئے ہیں یہ حضرات ان میں سے کئی امور کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں جس کی تین مثالیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ ان جائز کردہ چیزوں میں سے پہلی زمین کی بٹائی ہے جس کے سود ہونے کے متعلق حدیث کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمان ملتے ہیں۔

(۱) حضرت رافعؓ اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی کھیتی کو پانی دے رہا تھا۔ وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو پوچھا یہ کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ہے۔ میں نے عرض کیا میری کھیتی ہے اس میں تخم اور عمل میرا ہے۔ آدھی پیداوار میری ہوگی اور آدھی مالک زمین قبیلہ کی۔ آپ نے فرمایا کیا تم سود کا کاروبار کرتے ہو۔ زمین مالکوں کو واپس کر دو اور ان سے اپنا خرچ وصول کر لو۔ (سنن ابوداؤد باب المزارعة)

(ب) دوسری روایت بھی سنن ابوداؤد ہی کی ہے اور اس کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص مزارعت نہ چھوڑے وہ اللہ اور رسول سے لڑائی کے لئے تیار ہو جائے۔ (ایضاً)

۲۔ دوسرا ایسا معاملہ مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ ہے اس کے متعلق فرمان نبوی یہ ہے

مَنْ اجْرَ اَرْضٍ مَكَّةَ فَكَأْتَمَّا اَكْلَ الرِّبَا۔ حنفیہ کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔۔ ویکرہ  
اجارتھا ایضاً لقولہ علیہ السلام مَنْ اجْرَ اَرْضٍ مَكَّةَ فَكَأْتَمَّا اَكْلَ الرِّبَا  
(دایہ آخرین کتاب الکراہیۃ صفحہ ۴۷۳)

یعنی مکہ شریف کے مکانات کا کرایہ لینا جائز نہیں

اس فرمان نبوی کے مطابق کرجس نے اس کا کرایہ وصول کیا اس نے گویا سود دکھایا۔ اسی جگہ حاشیہ پر ایک دوسری روایت بھی نقل ہوئی ہے۔

روی ابن ابی شیبہ فی مصنفہ عن مکہ شریف کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والی جگہ  
عجاہل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
حرام حرمہا اللہ لایحل بیع رباعھا و کرنا حرام ہے۔ (ایضاً)  
اجارۃ بیوتھا

جو شخص نصیب حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کرایہ کی عام شرح تو کجا بعض اوقات بیس چالیس گنا زیادہ کے حساب سے دینا پڑتا ہے۔ لیکن کبھی کسی اللہ کے بندے کو یہ توفیق تک نہ ہوئی کہ عوام کو کم از کم اس کی حرمت کا شرعی حکم ہی بتا دے۔

۳۔ تیسری چیز ربوا الفضل ہے جس کی حرمت پر اس مضمون کی کئی احادیث موجود ہیں۔  
الذہب بالذہب مثلاً بمثل وزن ابید والفضل ربوا۔

(ہدایہ آخرین کتاب الصرف صفحہ ۶۴)

اس کی تفصیل کتاب سود کے فاضل مصنف کی زبانی سنئے۔

”جیسا کہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں قدیم زمانے میں تمام سکے خالص چاندی سونے کے ہوتے تھے اور ان کی قیمت دراصل ان کی چاندی اور ان کے سونے کی قیمت ہوتی تھی۔ اس زمانے میں درہم کو درہم سے اور دینار کو دینار سے بدلنے کی ضرورت ایسے مواقع پر پیش آتی تھی جب کہ مثلاً کسی شخص کو عراقی درہم کے عوض رومی درہم درکار ہوتے یا رومی دینار کے بدلے ایرانی دینار کی حاجت ہوتی۔ ایسی ضرورتوں کے مواقع پر یہودی ساہوکار اور دوسرے ناجائز نفع کمانے والے لوگ کچھ اس طرح کا ناجائز منافع وصول کرتے تھے جیسا موجودہ زمانے میں بیرونی سکوں کے مبادلہ پر بٹاون لی جاتی

ہے یا اندرون ملک میں روپیہ کی ریزگاری مانگنے والوں یا دس اور پانچ کا نوٹ بھنانے والوں سے کچھ پیسے یا آنے وصول کر لئے جاتے ہیں۔ یہ چیز بھی چونکہ سود خوارانہ ذہنیت کی طرف لے جانے والی ہے اس لئے نبی صلعم نے حکم دے دیا کہ تو اس چاندی کا تبادلہ چاندی سے اور سونے کا تبادلہ سونے سے کمی بیشی کے ساتھ کرنا جائز ہے اور نہ ایک درہم کو دودرہم کے عوض بیچنا درست ہے۔ (سود جدید ایڈیشن صفحہ ۱۵)

آج بھی دنیا میں زرمبادلہ کا ناجائز کاروبار ہورہا ہے۔ ارض مقدس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں حج پر جانے والے ہر شخص کو اس سے واسطہ پڑتا ہے بعض اوقات تو اس کی شرح ۵ فیصد تک پہنچ جاتی ہے اور اکثر ایسے حضرات جن کا خون بنک کے سود کا نام سنتے ہی کھولنے لگتا ہے اس میں حصہ لینے میں قباح محسوس نہیں کرتے یا کم از کم یہ تمام کاروباران کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ لیکن کسی نے ایسا کرنے والوں کو نہ کبھی ٹوکا ہے اور نہ ہی اس کا ناجائز ہونا ان کے گوش گزار کیا ہے۔ حالانکہ کتاب سود کے فاضل مصنف کئی بار اس ارض مقدس سے ہو آئے ہیں۔ اور یقیناً ان حالات کو جانتے ہوں گے۔

اگر ان اقسام کے سود کا جواز پیدا کیا جاسکتا ہے تو بینک کے سود کے لئے بھی فقہی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً اگر سود کا تمام نظام حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے تو فقہ کے اس اصول کے مطابق اس کے جواز کی صورت بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔

ولادوا بین الملوی وعبدہ لان العبد رما فی  
یدہ ملک لمولاه فلا یتحقق الربوا  
آقا اور غلام کے درمیان سود جائز ہے کیونکہ  
غلام اور اس کی ملکیت میں آقا مالکانہ تصرف  
کر سکتا ہے اس لئے سود ثابت نہیں ہوتا۔

(ہدایہ آخرین کتابا لربوا صفحہ ۴۸)

آقا اگر اپنے غلام کے مال میں مالکانہ تصرف کر سکتا ہے تو حکومت کو بھی یہ حق حاصل ہے بلکہ سود کے فاضل مصنف کے خیال کے مطابق یہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہو گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

”رہ گیا بینکنگ کا یہ نقصان کہ نفع کی کشش سے جو سرمایہ ان کے پاس اکٹھا ہوتا ہے اس کی مجتمع طاقت پر عملاً صرف چند سا ہوگا رقا باض و متصرف ہوتے ہیں تو اس کے تدارک کے لئے ہم کو یہ کرنا ہوگا کہ مرکزی سا ہو کاری کا سارا کام بیت المال یا اسٹیٹ بینک خود اپنے ہاتھ میں رکھے اور قوانین کے ذریعہ سے تمام پرائیویٹ بینکوں پر حکومت کا اقتدار اور دخل و ضبط اس حد تک قائم کر دیا جائے کہ سا ہو کار اپنی مالیاتی طاقت کا بے جا استعمال نہ کریں“

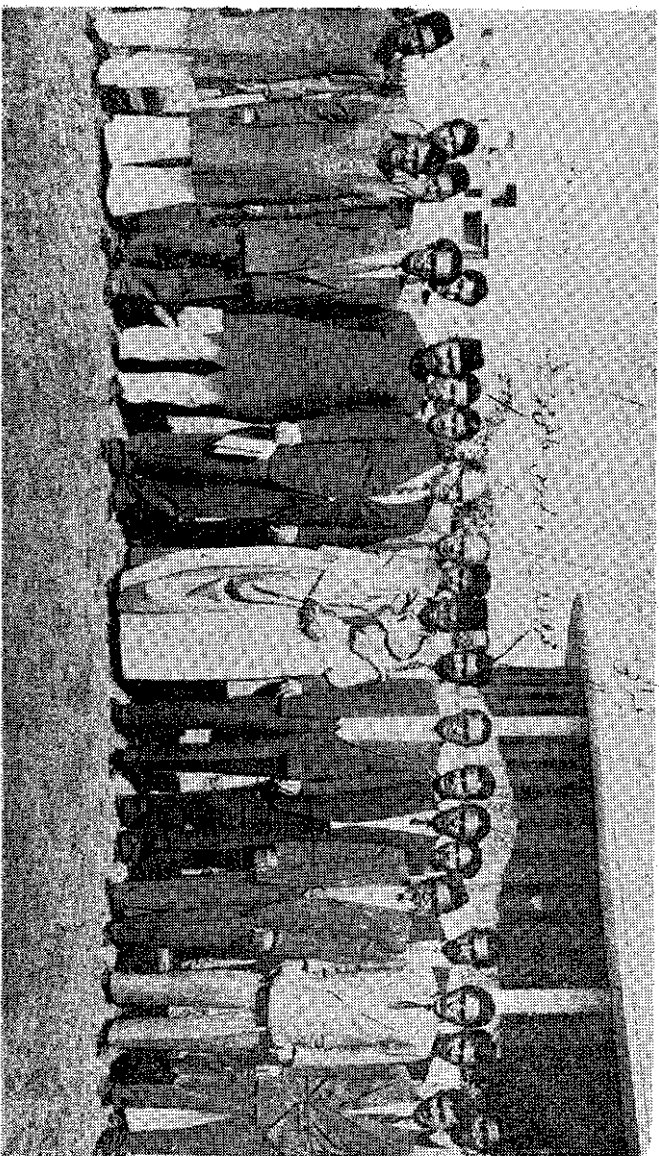
(”سود“ تجدید ایڈیشن ص ۱۲۷)

ایسے سود کی حیثیت یقیناً عام سود سے مختلف ہوگی۔ جب بیت المال یعنی عوام کے خزانہ سے عوام کے فائدہ کے لئے کچھ لوگوں کو وظائف دئے جاسکتے ہیں اور اس سے کسی غریب کے حق پر ضرب نہیں پڑتی تو عوام کے خزانہ سے عوام ہی کے فائدہ کے لئے سود لینے دینے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں کوئی ظالم غلام جو سٹے والا تو ہوگا نہیں۔ نفع ہو یا نقصان عوام اس میں من حیث القوم شریک ہوں گے۔

فقہ اسلامی پر دستقرس رکھنے والے حضرات کے لئے مزید غور و فکر کا سامان موجود ہے۔

---

رفیع اللہ، استاد شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ



جناب سید شریف حیدر المکی رفقائے ادارہ کی سمیت میں - ان کے بائیں جانب ڈاکٹر فضل الرحمن اور  
 دائیں جانب جناب اسلم صدیقی کھڑے ہیں -